لطیفہ ۳۹

عشق اور اس کے درجات کا بیان

قال الاشرفؒ:

العشق ذات البحت والغیبة والھویة والضیاء وفی اصطلاح العوام افراط المحبت۔

حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانیؒ نے فرمایا، عشق ذاتِ خالص، غیبت، ہویت اور روشنی ہے اور اصطلاحِ عوام میں محبت کی زیادتی ہے۔

عاشقوں کے سرگروہ اور عالم کے پیشوا، شیخ روز بہان بقلیؒ [1] وادیِ عشق میں مردانہ وار آئے اور اس گرداب سے دلیرانہ باہر نکلے۔ اس مجموعے میں (عشق کے بارے میں) جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان کے مقولات پر مبنی ہے جان لینا چاہیے کہ عشق کے (کئی) درجات ہیں۔ عشق کا پہلا درجہ ارادت ہے پھر خدمت اس کے بعد موافقت ہے۔ اس کے بعد رضا ہے جس کی حقیقت محبت ہے اور یہ دونوں طرف سے ہوتی ہے، معشوق کے انعام سے اور معشوق کی رویت سے۔ پہلی عام ہے اور دوسری خاص ہے۔

جب محبت کمال کو پہنچتی ہے تو شوق ہے۔ جب حقیقت استغراق تک پہنچتی ہے تو اس کا نام ''عشق'' رکھا گیا۔ مشائخ نے توجہ دے کر اس کی ترتیب بتائی ہے، **اما العشق علیٰ خمسة** (لیکن عشق کی پانچ قسمیں ہیں)۔

(۱) ایک قسم عشق الٰہی ہے۔ یہ مقامات کی انتہا ہے۔ سوائے اہل مشاہدہ و توحید اور اہل حقیقت کے کسی کو حاصل نہیں ہوتا

---

[1] ابومحمد روز بہان بقلی رحمتہ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے معروف بزرگ تھے۔ آپ کا وصال ۶۰۶ ھ میں ہوا آپ حسین بن منصور حلاجؒ مقتول ۳۰۹ھ کی مشہور تصنیف ''طواسین'' کے شارح تھے۔ آپ نے قرآن حکیم کی تفسیر بھی تحریر کی ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ایک بہت دل کش رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ جس کا نام ''عبہر العاشقین'' ہے۔ اس کا موضوع عشق، اس کے مراحل اور مراتب ہے۔ جامع لطائف اشرفی نے شیخ روز بہان بقلی کے جن معقولات کا حوالہ دیا ہے شاید یہی رسالہ ''عبہر العاشقین'' ہو۔ ایرانی دانش ور ڈاکٹر قاسم غنی نے شیخ روز بہان بقلی کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ شیخ رحمتہ اللہ علیہ مفاخرِ فارس تھے اور شیخ ابوالحسن خرقانی اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہم مرتبہ تھے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک قصیدے میں شیخ روز بہان بقلیؒ کا ذکر بہت احترام اور تعظیم سے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ تصوف در اسلام۔ قسمت اول جلد دوم، تہران ۱۳۴۰ش چاپ دوم ص ۳۹۵۔
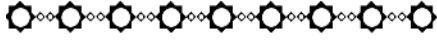
اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔

(۲) عشق کی دوسری قسم عقلی ہے۔ اس کا تعلق عالم مکاشفات وملکوت سے ہے۔ یہ اہل معرفت کا حصہ ہے۔

(۳) عشق کی تیسری قسم روحانی ہے یہ انسانوں میں خواص کا حصہ ہے جب وہ انتہائی لطافت تک پہنچ جاتے ہیں۔

(۴) عشق کی چوتھی قسم طبعی ہے جو عام مخلوق کو حاصل ہے۔

(۵) عشق کی پانچویں قسم بہائمی ہے جو ذلیل انسانوں کو حاصل ہے۔

اس تقسیم کے مطابق ہر ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔[1] لیکن جو ذلیل ترین لوگ ہیں وہ نشے میں مدہوش رہنے والے، فساد اور فسق وفجور میں مبتلا اور اسی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا عشق خواہش بے جا کا اثر ہے جو فتنے اٹھانے کے لیے نفس امارہ میں ہوتی ہے تاکہ مذموم شہوتوں کا راستہ بن جائے اور حیوانی صفت اس حد تک پہنچ جائے جو اپنی اصل میں عین فطری شہوت ہے۔ اسے محبوب کی محبت اور مطلوب کی الفت حاصل ہونے کے بعد ذرہ برابر نفس امارہ کی آتشِ شہوت سے رہائی نہیں ملتی۔ علم وعقل کی دنیا میں جو بات شریعت کے مطابق اور امر ونواہی پر مبنی نہیں ہوتی مذموم ہوتی ہے لیکن چوں کہ طبیعت عناصر اربع کی لطافت سے مرکب ہے کہ اس کا راستہ کلام کی بلندی، نفسِ امارہ کی عادت نفسِ کلی کی بلندی اور فریب دینے والے نفس کی پستی ہے اس لیے اگر (کسی شخص پر) عقلیات اور روحانیات کا غلبہ رہے تو پسندیدہ بات ہے ورنہ عاشقوں کی محفل میں یہ بات قابل مذمت ہے کہ ایک شخص نفس اور طبیعتِ جسم میں محصور رہے۔

ان دونوں گروہوں کے حال پر چوں کہ عقل وعلم کا غلبہ نہیں ہوتا اس لیے ان کا ٹھکانا سوائے ہاویہ اور دوزخ کے کہیں نہیں ہے۔ یہاں وہ گروہ شہوتِ حیوانی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں لیکن عشق روحانی بہت ہی خاص انسانوں کو ہوتا ہے۔ ان کے ظاہر وباطن کے جوہر کو روحِ مقدس سے صفائی اور عالم عقل سے (اخلاق کی) پاکیزگی حاصل ہوچکی ہوتی ہے اور ان کا (مادی) جسم قلب کی مانند ہوتا ہے۔ یہ حضرات جو اچھی بات دیکھتے ہیں اس کے عشق میں بہت زیادہ مستغرق رہتے ہیں۔ حتّیٰ کہ مجاہدے کی آگ سے انسانی طبیعت کی گندگی راکھ ہوجاتی ہے اور انفاس بشری کی تیز ہوا سے خواہشِ لذت کی آگ چمک جاتی ہے۔ (خواہش لذت منفی ہونے کے بجائے مثبت ہوجاتی ہے) یہ عشق اہلِ معرفت کے عشق سے پیوستہ ہوجاتا ہے۔ چوں کہ یہ عشق ملکوت کے درجے تک پہنچنے کا زینہ ہے اس لیے اہل عشق کے مذہب میں اسے لایق تحسین رویہ خیال کیا گیا ہے۔

---

[1] عشق کی پانچ اقسام تحریر کرنے کے بعد، ان کی تفصیل کا بیان پانچویں قسم سے شروع کیا گیا ہے اس کے بعد بھی ترتیب قائم نہیں رکھی گئی ہے پھر صفحہ ۲۳۸ پر (مطبوعہ نسخہ) ''عشق ومحبت کی مختلف اقسام'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس سے قیاس پیدا ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخے کو جس خطی نسخے سے نقل کیا گیا ہے اس میں ترتیب قائم نہ رہ سکی تھی فارسی عبارت میں بھی ژولیدگی محسوس ہوتی ہے بہر حال مطبوعہ نسخے کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔
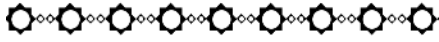
عشق و محبت کی مختلف اقسام

البتہ عقلی عشق، عقل کی قوت سے عالمِ ملکوت میں روح کے قریب، جبروت کے مشاہدے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ عشق الٰہی کی ابتدا ہے لیکن عشق الٰہی جو بلند دزدہ[1] اور انتہائی درجے کا ہے اس کی ابتدائیں اور نہایتیں ہیں جن سے مشاہدۂ جلالی و جمالی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، البتہ یہ محبت طبیعت کی آفت سے ماوریٰ ہوتی ہے اور خالص محبت ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان دیکھی ہوئی اور جانی پہچانی ہے۔ اہل معرفت کے نزدیک یہ باری سبحانہ وتعالیٰ کا فعل ہے اور کسی کا اس پر اختیار نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کسی شخص کو غیب کی راہ دکھائے تو وہ اُس شخص کو فطرت کے عجائبات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کے مشاہدے میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ وہ اُن حقایق کو جو کمالات الٰہیہ ہیں اپنی روح کی آنکھ سے دیکھے اور اس مشاہدے میں خوش وقت اور مگن رہے لیکن اس کا حق اس طرح ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے جمال پر خود کو گروی رکھ دے۔ جب تک کوئی شخص ابتدا کی حقیقت تک نہیں پہنچتا، اس کے لیے آگے بڑھنا ناممکن ہے کیوں کہ غیب کے مکان کی بلندی پر پایۂ افعال کے زینے کے بغیر نہیں چڑھا جاسکتا، اسی لیے تمام عاشقان الٰہی ابتدا میں شواہد کی راہ سے داخل ہوئے ہیں، سوائے اُن خاص اہل توحید کے جن کی روح، ابتدا کے مشاہدے کے بغیر مشاہدۂ کلی سے بہرہ ور ہوئی۔ یہ بات نادراتِ غیب سے ہے۔

اگر تو یہ گمان کرتا ہے کہ عشق طبیعت کے پندار کا نتیجہ نہیں ہے تو یہ ایک برا خیال ہے۔ اس کے برعکس (عشق کی) اصل فطرت روحانی ہے جو جسمانی دنیا میں افعال کی سیر اور حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتی ہے۔

اگر اللہ کی پناہ (یہ کیفیت) عارضی، طبعی اور نفسانی ہے تو از روئے قانون عشق سے پیوستگی ہے لیکن لاحق ہوجانے والی چیز کے اعتبار سے بری ہے۔ اصولِ عشق کسی صورت تباہ نہیں ہوتا لیکن (بری کیفیت) عظیم غلطی ہے اور اگر اس کیفیت میں ٹھہر جائے تو گناہ کی طرف ایک قدم ہے۔ نفسِ[2] امارہ کو کہ جسے شوق شہوت میں ڈال دیا گیا ہے، سوائے گرمی نفس کے مضمحل نہیں کرنا چاہیے۔ اس عشق کے شرعی شواہد ہیں۔

جب عقل کے داعی نے جلالِ ذات، جمالِ صفات اور تجلیِ افعال سے خاص محبتِ مخلوقات، عقول اور عبادت گزاروں کی

---

[1] مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۲۳۸ کی عبارت یہ ہے: ''اما عشق الٰہی کہ دزدۂ علیاست و درجۂ قصوی آں را بدایات و نہایا تست'' ''دزدہ'' غالباً سہو کتابت ہے اس لیے کہ کسی لغت میں یہ لفظ مندرج نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ یہاں کوئی ایسا لفظ ہے جو ''جگہ'' یا ''رتبہ'' یا ''مقام'' کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] مطبوعہ نسخے میں (ص ۲۳۸) اصل عبارت یہ ہے ''نفسِ امارہ را کہ در شوق شہوت نہادہ اند، غبار آں قدم جز بدم حرقہ مضمحل نباید کرد۔'' اس میں ''غبار آں قدم'' جملے کے ترجمے میں کسی طرح راست نہیں آتے، اس لیے احقر مترجم نے ''غبار آن قدم'' کے الفاظ شامل ترجمہ نہیں کیے ہیں۔ احقر مترجم اردو ترجمے میں اس تحریف اور اپنی کم علمی پر معذرت خواہ ہے۔
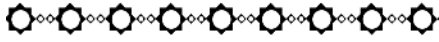
روحانیات میں نیز کمال عشق کے ساتھ عالمِ جاں میں برپا کی (تو) حقایق ومعارف کی بلبلوں نے شوق کی خلش ثابت قدم لوگوں کے دل میں پیوست کردی پھر نوخیز لڑکوں کے عشق کا غلبہ روح کو جذبِ محبت کے چنگل میں (پکڑ کر) مشاہدے کے عالم میں لے گیا، دوستوں کے حق کو دوستوں پر ظاہر کیا اور انھیں محبت کی شائستگی سے متصف کیا اور مزید فضلیت دینے کے لیے اپنے محبوں میں سے پاک جانوں کو منتخب کرنے کے بعد عشق ومحبت کے احسان سے نوازا کہ **وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡکَ مَحَبَّةً مِنّیِ**[1]۔(اس آیت کی تفسیر میں) **قال مجاهد ای مودة فی صدور المومنین** یعنی مجاہد نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے اہل ایمان کے سینوں میں محبت۔ پس اسی باعث پاک روحوں کو حق تعالیٰ کے نور سے، جو محض صفت ہے، آراستہ کیا گیا۔

معدنِ صفت کے انوار، روحوں (کے توسط) سے اجسام میں تاثیرِ حسن پیدا کرتے ہیں، اسی سبب سے عشق اہلِ عقل کی جان وروح میں صفتِ عشق کی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ یہ اثر وتاثر حق تعالیٰ کی جانب سے دوستوں کے لیے بیش قیمت گوہر اور بیش بہا جوہر ہے۔ یہ عظیم الشان نعمت ولایت کی ابتدا اور انتہا کا سرمایہ ہے۔ اسی لیے غیب کی باتوں کا مشاہدہ کرنے والوں اور دلوں کے میدانوں کو رگڑنے والے مجاہدوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ کو تلقین فرمائی تھی،

قُل رب اقذف لی مودة فی صدور المومنین واجعل لی عندک ولیجه اجرا واجعل لی عندک عهد اوودا۔	کہواے پروردگار میری محبت مومنوں کے دل میں ڈال دے اور مجھے ازروئے اجر اپنا ہم نشیں بنالے اور مجھے اپنے پاس سے عہد و دوستی عطا فرما۔

جب (محبت) اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دلوں کی آرزو ہوگئی تو انسانی محبت صفات ربانی سے فیض یاب ہوکر مومنوں کے ارواح کو جذب کرنے والی قوت بن گئی۔ (یہ حضرات) انسانی طبائع سے شناسائی کی بدولت جہانِ جاودانی میں حتّٰی کہ جمالِ صفات کے عین مشاہدے میں کمالِ معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ عزاسمہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے موافق یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَھُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدّاًo[2]	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا۔

قیل محبة فی صدور المؤمنین یعنی بعض کے نزدیک اس سے مومنوں کے دلوں میں محبت مراد ہے۔ (بہر حال) جو شخص محبت کے انوار سے روشن ہوگیا اور حسنِ الٰہی کی خاصیت سے آراستہ ہوگیا، اس نے اہل حق کے قلوب کی گہرائیوں میں جگہ بنالی، پس (یہ حقیقت) اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص حسن کی خوبیوں کے ساتھ دلوں کو بھا گیا اسے "**مراد الله فی ارضه وحب الله فی الناس**" (ترجمہ: زمین میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اور انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت) کہتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۱۶۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۳۹ (ترجمہ) ہم نے اپنی طرف سے آپ پر محبت ڈالی۔

[2] پارہ ۱۶۔ سورۂ مریم آیت ۹۶۔
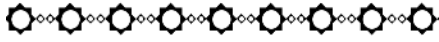
لقوله صلی الله علیه وسلم، لاخبرکم باحبکم الی الله قالو بلیٰ قال احبکم الی الناس یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بموجب، کیا میں تم کو خبر دوں اس کی جو تم میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہے، لوگوں نے عرض کیا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا جو تم میں سے لوگوں میں محبوب ترین ہے، کیوں کہ حسن کی تاثیر روحوں کی پسندیدگی کے ساتھ نیک انسان کی بدولت ہی آبرومند ہوئی، اس لیے امت کے دانشمند نیک آدمیوں کا موازنہ محبتِ خلق اور محبتِ حق کی نسبت سے کرتے ہیں کہ اُس محبت کی قدر جو حق تعالیٰ کے محبوبوں کو حاصل ہے وہ قدر نیک لوگوں سے مخلوق کی محبت میں مضمر ہے۔

اہل عقل کے علم میں ہوگا کہ حق سبحانہ نے سب سے پہلے نیک لوگوں کو نیکی کرنے سے قبل برگزیدہ کیا پھر جب بھلائی کے کام کیے تو سنت الٰہی کے مطابق خلق سے محبت کا انعام ملا یعنی ''حُسن'' حق تعالیٰ اپنے انعام کو پسند کرتا ہے اور اس امر میں کسی قسم کا تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حقایق اسباب میں کوئی شے محبت انسانی اور محبت روحانی کے عرفان سے عزیز تر نہیں ہے کیوں کہ اسی خاص وسیلے اور زینے سے مکانِ ازل کی بلندی پر پہنچا جا سکتا ہے۔ جب حسن نہایت خوب واسطہ اور عظیم رابطہ قرار دے دیا گیا تو اس محبت کے بارے میں، عالم ازلیات کے آفات اور ابدی باغوں کے آشیاں کے سیمرغ، صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] (ترجمہ: آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرماں برداری کرو اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا۔)

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ مظاہرِ کائنات کی صورتوں میں جمالِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا اور موجودات کی پیش نظر کمین گاہوں میں کمالِ الٰہی کا معائنہ کرنا ہر خبیث وخسیس کے بس کا کام نہیں ہے سوائے اُن حضرات کے جو صورتوں پر پڑے ہوئے پردوں کے اندر بھی محبوب حقیقی کے رخسار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔(ان کی صفت یہ ہے کہ) ان کا ظاہر بے جا خواہش کی آلودگی سے مبرا اور اُن کا باطن نفس کی حرکتوں سے خالی ہو چکا ہے، یہی حضرات مادی صورتوں میں اُس نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اربابِ محبت چار طبقوں میں منقسم ہیں:

اربابِ محبت کے طبقوں کا بیان

پہلا طبقہ روشن دلوں کا ہے، جن کی پاک روحوں پر شہوت کے میل کچیل کا کوئی اثر نہیں ہے اور پاک صاف ہو چکی ہیں۔ ان کے قلوب بھی پاک ہیں اور طبیعت کی آلودگی سے مبرا ہو چکے ہیں۔ یہ حضرات مظاہر خلق میں حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی شے کا مشاہدہ نہیں کرتے اور آئینۂ کائنات میں صرف جمالِ مطلق کو دیکھتے ہیں۔ یہ حضرات کیفیتِ عشق میں خود کو پسندیدہ شکلوں اور زیبا صورتوں میں مقید نہیں کرتے بلکہ کائناتِ عالم میں جو صورت ان کے سامنے آ جائے اس میں حق تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۳۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۳۱
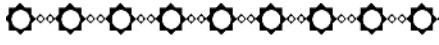
محقق ہماں بیند اندر ابل
کہ درخوبرویان چین وچگل[1]

(ترجمہ) صاحب تحقیق اونٹ میں اسی جلوے کا مشاہدہ کرتا ہے جو چین وچگل کے خوبرویوں میں کارفرما ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ پاکبازوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے، ان کا نفس ریاضت ومجاہدے کے باعث کثرت کے وہم، انحراف، ظلمت اور طبیعت کی کدورت سے صاف ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ رذائل کلی طور پر زایل نہیں ہوتے (وجہ یہ ہے کہ) بغیر کسی مظہر کے مجرد حقایق کا ادراک اشیائے کائنات کے مناسبِ حال حاصل نہیں ہوتا تو (آخرکار) خواہ مخواہ ظاہری حسن کے توسط سے انسانی مظہر کی حس (جو مظاہر میں کامل ترین مظہر ہے) ان کے باطن میں آتشِ عشق اور سوزشِ شوق کا شعلہ بھڑکا دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ احساسات جن سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے جل جاتے ہیں اور جن سے اتحاد پیدا ہوتا ہے قائم ہوجاتے ہیں اور (انسانی مظہر سے) حسی تعلق ومیلان ختم ہوجاتا ہے اور (اُسی) مقید ظاہری حسن سے جمالِ مطلق کی حقیقت عیاں ہوجاتی ہے۔ ان پاکبازوں پر مشاہدات کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، نتیجتاً مجازی اور عارضی عشق کا رنگ اڑ جاتا ہے اور حقیقی محبت کا رنگ پکا ہوجاتا ہے۔

(۳) تیسرا طبقہ ان گرفتاروں کا ہے جو اس راستے میں آگے نہیں بڑھتے بلکہ حجابات میں گھرے رہتے ہیں اسی باعث بعض بزرگوں نے ان احوال سے پناہ مانگی ہے اور فرمایا ہے، **نعوذباللّٰہ من السکر بعد التعرف ومن الحجاب بعد التجلی** یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں شناسائی کے بعد غفلت سے اور تجلّی کے بعد حجاب سے۔ ان کا یہ رویہ اس اعتبار سے حجاب ہے کہ ظاہری حسن رکھنے والی صورت سے، جو (بلاشبہ) صفتِ حسن سے موصوف ہے، آگے نہیں بڑھتے، حالاں کہ انھیں محدود کشف وشہود میسر ہوتا ہے۔ (ان کا حال یہ ہے کہ) اگر ایک صورت سے وہ حسی تعلق ومیلان منقطع ہوتا ہے تو دوسری صورت سے جو پہلی صورت سے حسن میں بہتر ہوتی ہے، وابستہ ہوجاتے ہیں اور اسی کشمکش کے عالم میں رہتے ہیں۔ (کسی حسین) صورت سے یہ حسی میلان وتعلق، دراصل دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ سے دوری، حرمان، فتنے اور رسوائی کی ابتدا ہے۔ **اعاذنا اللہ وسائر الصادقین من شر ذالک** (اللہ تعالیٰ ہم کو اور جملہ صادقین کو اس برائی سے محفوظ رکھے)

(۴) چوتھا طبقہ (گناہ میں) آلودہ لوگوں کا ہے۔ ان کا نفس امارہ مرا نہیں ہے، ان کی آتشِ شہوت بھی ماند نہیں پڑتی اور یہ جبلت کی انتہائی پستی میں گرجاتے ہیں اور حیوانیت کے جہنم میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی ذات سے عشق ومحبت کا وصف معدوم ہوجاتا ہے اور لطافت کی خوبی ان کے باطن میں چھپ جاتی ہے۔ انھوں نے محبوب حقیقی کو بالکل فراموش کردیا ہے اور مجازی محبوبوں کی آغوش میں ہاتھ ڈالے ہوئے آرزوئے طبیعت کو تسکین پہنچاتے ہیں اور انہوں نے نفس کی بے

---

(۱) مطبوعہ نسخے میں (ص۔ ۲۳۹) اس مقام پر نقل کردہ لفظ مٹ چکا ہے۔ مترجم نے ''خوبرویاں'' بطور قیاسی تصحیح لکھا ہے۔ (چگل۔ ترکستان میں ایک حسن خیز شہر کا نام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں غیاث اللغات)۔
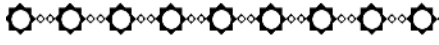
جاخواہشوں کا نام عشق رکھا ہے۔[1] افسوس صدا افسوس۔ مثنوی:

گریز از عشقِ صورت اے دل آرام
کہ گیرداز ہو اے نفس خود کام
چرا روباہ گرگِ سیرتے را
زلیخای چو یوسف دولتے تام

ترجمہ: اے دل آرام ظاہری صورت کے عشق سے فرار اختیار کر جو انسان کو نفس خود کام کی خواہش میں جکڑ لیتا ہے چیتے کی طرح بڑھ کر حملہ کرنے کی بجائے لومڑی کیوں بن گیا ہے تو کامل دولت حسن رکھنے والے یوسف کی زلیخا ہے۔

مراتب محبت میں سے ادنیٰ ترین درجہ شہوت پسندی کے آثار ہیں۔ یہ رجحان اُن لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جنھیں ذوقِ نفس اور قیدِ طبیعت سے رہائی نہیں ملتی اور اُن کے ذوق ادراک کے صحن پر کشف ومشاہدے کی تجلی نہیں چمکی۔ مرادِ نفس کے سوا کوئی مقصود ان کی نظر میں نہیں ہوتا اور نہ کوئی ان کا مطلوب ہے، لیکن اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ اربابِ کشف وشہود ہیں۔ الظاہر اسمِ ذات کی تجلیات کے قبیلے سے ہے بلکہ فصوص الحکم کے مصنف رضی اللہ عنہ نے ان کو اعظم شہودات میں شمار کیا ہے، چناں چہ اکثر متقدمین اس نوع کے مشاہدے کے عشق سے منسوب کیے گئے ہیں۔ حضرت شیخ روز بھان بقلیؒ، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ حسن نوریؒ، حضرت شیخ ابو القاسم گرگانیؒ اور حضرت خواجہ قاسم نصر آبادی ایسے ہی بزرگ ہیں۔

(ایک روز) شیخ الشیوخ (حضرت شہاب الدین سہروردیؒ) کی مجلس میں شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کا ذکر ہوا حاضرین مجلس میں سے ایک جماعت نے عرض کیا کہ وہ عاشق تھے لیکن پاک طبع شاہد باز تھے۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے فرمایا کہ وہ بدعتی اور گمراہ ہیں، ہمارے سامنے ان کا نام نہ لیں۔ جب شیخ اوحد الدینؒ نے یہ واقعہ سنا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ میرا نام اسی بہانے سے شیخ کی زبان مبارک پر آیا، جیسا کہ اس معنے میں خود فرمایا ہے۔ شعر!

و لسانی ذکر لک لی مساوۃ
بل سرّنی لمنّی خطرۃ ببالکا

ترجمہ: میری زبان پر تیرا ذکر رہتا ہے لیکن میں خوش ہوں کہ تیرے دل میں میرے لیے خلش ہے۔

جب شیخ الشیوخؒ نے شیخ اوحد الدینؒ کے اس انکسار کے بارے میں سنا تو آپ نے انصاف کیا اور تحسین کی دوسری بار جب کسی محفل میں یہ بات سنی تو فرمایا کہ وہ پاکباز شاہد باز تھے لیکن اسی مقام میں اٹکے رہے پھر اہل مجلس سے فرمایا، کاش وہ

---

[1] مطبوعہ نسخے میں (ص ۲۴۰) یہاں یہ عبارت تحریر کی گئی ''وہواے عشق رانفس نام نہاد'' یہ صریحاً سہو کتابت ہے۔ سیاق وسباق کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہیے۔ ''وہواے نفس راعشق نام نہاد'' چنانچہ اسی قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔
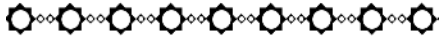
کرتے اور کر کے چھوڑ دیتے۔ بعض علما اور عرفا نے اس قسم کی محبت کی مذمت کی ہے، ایسے عاشق کو علاحدہ رکھا ہے اور اسے سلوک کا ادنیٰ مرتبہ خیال کیا ہے (اور کہا ہے کہ) ایسے لوگ اہل حجاب ہیں **الاتری ان النبی صلی الله علیه وسلم کیف قال احب اِلی من دنیا کم ثلثه، النساء، والطیب، وقرّة عینی فی الصلوة۔ انه اکمل الوریٰ وانزل فی شانه** یعنی کیا تو نہیں دیکھتا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا، مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں بہت پسند ہیں، عورت، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حالاں کہ ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل ترین مخلوق ہیں اور آپ ﷺ کی شان میں نازل ہوا ہے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی [1] (نہ ایک طرف مایل ہوئی نظر نہ حد سے بڑھی۔)

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ الکبریٰ (یعنی ابن عربیؒ) نے فصِ فردیت میں فرمایا ہے کہ یہاں مقصود اس بات سے خبردار کرنا ہے کہ اہل اللہ کو جن حالات سے گزارا جاتا ہے وہ شہود اور طبیعت کی صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی اس حال سے نابلد لوگ اپنی کیفیت کو اُن بزرگوں کے احوال ومقامات پر قیاس نہ کریں اور خود کو انکار وادبار کے گرداب میں نہ ڈالیں۔ رباعی: [2]

مبیں در راہِ راست از جملہ عشاق
کہ ہر کس رانوائے زیرو بالاست
یک راہِ حجاز [3] آورد آہنگ
دگر راہِ عراق [4] از پیش آراست

ترجمہ: تمام عاشقوں کو ایک جیسا خیال نہ کرو کیوں کہ ہر ایک کی آواز میں (الگ الگ) اور اونچے سر ہوتے ہیں ایک نے نغمۂ حجاز چھیڑا تو دوسرے نے نغمۂ عراق کے سروں کو سجایا۔

حضرت قدوۃ الکبرا نقل فرماتے تھے کہ محبت کے اسباب پانچ ہیں:

(۱) پہلا سبب۔ اپنے نفس اور اپنے وجود و بقا کی محبت ہے۔ اس محبت کی ضرورت واہمیت واضح ہے۔ ہر شخص اپنے وجود کی بقا چاہتا ہے۔ نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ جب اپنے وجود بقا کی محبت انسانی ضرورت ہے تو پیدا کرنے والے اور باقی رکھنے والے کی محبت اولیٰ تر ہونی چاہیے۔ [5] اس شخص پر حیرت ہوتی ہے کہ گرمی

---

[1] پارہ ۲۷۔ سورہ والنجم، آیت ۱۷۔
[2] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں۔
[3] حجاز۔ موسیقی میں ایک راگ کا نام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں غیاث اللغات۔
[4] عراق۔ یہ بھی ایک راگ کا نام ہے۔ ایضاً
[5] مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۲۴۱ کی سطریں، ۱۔ ۴۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۴۔ ۱۷ قطعی طور پر مٹی ہوئی ہیں۔ ان کا پڑھنا ناممکن ہے۔ مترجم نے اس صفحے کے ترجمے میں جناب مشیر احمد کاکوروی کی تلخیص سے استفادہ کیا ہے۔ اگر احقر مترجم کو یہ تلخیص اپنے کرم فرما ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی استاد معارف اسلامی گورنمنٹ کالج ناظم آباد سے عاریتاً دستیاب نہ ہوتی تو یہ صفحہ بے ترجمہ رہ جاتا۔ مترجم محترم ڈاکٹر صاحب کی علم نوازی اور دوست پروری کا ممنون ہے۔
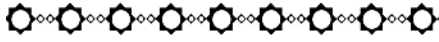
سے بچنے کے لیے درخت کے سائے کو تو پسند کرتا ہے لیکن درخت کو جس کی ذات سے سائے کا قیام ممکن ہوا ہے دوست نہیں رکھتا، کیوں کہ وہ شخص (درخت کی اہمیت اور حقیقت سے) ناواقف ہے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جاہل شخص حق تعالیٰ کو دوست نہیں رکھتا کیوں کہ حق تعالی کی محبت ہی اس محبت کا ثمر ہے۔

(۲) دوسرا سبب۔ احسان کرنے والے اور نعمت دینے والے کی محبت ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ احسان کرنے والے اور نعمت دینے والے کا پیدا کرنے والا حق سبحانہ ہے۔ وہ نعمت دینے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اس کی سعادت اور بھلائی اس امر میں مضمر ہے کہ وہ ضرورت مند کو مال خیرات کرے۔ حق تعالیٰ منعم کو خیرات کے لیے بے چین کر دیتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی محبت ہی ہر محسن اور منعم کی محبت سے اولیٰ تر ہوگی۔

(۳) تیسرا سبب۔ صاحب کمال سے محبت ہے، مثال کے طور پر ایک شخص صفات کمال میں سے بعض خوبیوں کا حامل ہے جیسے علم، سخاوت اور تقویٰ وغیرہ تو اس کی وہی خوبیاں اس سے محبت کا سبب بن جاتی ہیں پس اس حقیقت کے پیش نظر اس ہستی سے محبت کرنا زیادہ بہتر ہے جو تمام کمالات کا سر چشمہ ہے اور جس کی ذات پاک سے تمام مکارِم اخلاق، محامد اور اوصاف کا فیض جاری ہوا ہے۔

(۴) چوتھا سبب۔ صاحب کمال سے محبت ہے لیکن ظاہری جمال ایک عاریتی چیز ہے درحقیقت جو عکس وخیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ یہ جمال آب وگل نیز گوشت اور پوست کے پردے سے نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود کسی معمولی سبب سے متغیر ہوجاتا ہے (یعنی ظاہری حسن ہمیشہ قائم نہیں رہتا) پس وہ جمیل مطلق زیادہ لائق محبت ہے جس کے انوارِ جمال کے پرتو سے تمام مخلوق حسین نظر آتی ہے۔ جمال مطلق کا ظہور کسی مظہر اور صورت میں مقید نہیں ہے۔

(۵) پانچواں سبب۔ وہ محبت ہے جو روحانی ہم آہنگی کے سبب پیدا ہوتی ہے دو شخصوں میں یہ ہم آہنگی روحانی مناسبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مناسبت اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ دونوں کا مزاج اعتدال کے کسی درجے میں یکساں ہو یا مزاج کا درجہ ایک دوسرے سے نزدیک ہو۔ **فالقرب نسبة الی الا عتدال الحقیقی یستلزم قبول روح اشرف اعلیٰ لا بالعکس فی الحسنة ونزول الدرجة** (پس قربت اعتدال حقیقی کی نسبت ہے جس سے بزرگ وبلند روح کی قبولیت لازم آتی ہے نہ برعکس بھلائی اور درجے کے نزول میں) چنانچہ جب دو مزاج ایک درجے پر ہوں یا ایک دوسرے کے قریب ہوں تو لازمی طور پر دونوں میں محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ اسبابِ محبت حضرت مسبب الاسباب کے پیدا کردہ ہیں لہٰذا حضرت حق جنھوں نے بے علت وبے استحقاق وہ اسباب پیدا فرمائے بدرجۂ اولیٰ لائق محبت ہیں۔